فقہی اختلافات میں شاہ ولی اللہ کا معتدل موقف

مولانا محمد فہیم اختر ندوی

فقہی اختلاف کی حقیقت اور اس کا پس منظر

۱۔ قرآن اور سنت کی شکل میں احکام شریعت کا جو مجموعہ امت کو عطا کیا گیا اس کے دو حصے ہیں، ایک حصہ ایسے منصوص احکام کا ہے جنھیں قرآن یا حدیث میں ان کی جزئیات کی تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے، جیسے میراث کے احکام (النساء: ۱۱-۱۲) محرمات خواتین جن سے نکاح حرام ہے (النساء-۲۳) قصاص کے بعض احکام (المائدہ: ۴۵) وغیرہ — دوسرا حصہ ایسے احکام کا ہے جن میں صرف اصولی ہدایات دی گئی ہیں، یہ حصہ بہت بڑا اور وسیع ہے اور یہی فکر وفہم کے اختلاف کی جولان گاہ ہے۔

۲۔ یہ ممکن تھا کہ قرآن یا حدیث میں احکام شریعت کو مکمل جزوی تفصیل کے ساتھ قطعی صورت میں محفوظ کر دیا جاتا تاکہ کسی مسئلہ میں کسی اختلاف کی گنجائش نہ رہتی، لیکن جس طرح اللہ کی مشیت یہ نہیں ہوئی کہ تمام اولادِ آدم ایمان کے دائرہ میں آجائیں، چنانچہ قرآن میں بتایا گیا کہ:

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا (یونس: ۹۹)
اور تمہارے رب کی مشیت ہوتی تو زمین کے تمام لوگ ایمان لے آتے۔

اسی طرح اللہ کی مشیت یہی رہی کہ احکام شریعت کے اس دوسرے حصہ میں فکرِ انسانی کا اختلاف برقرار رہے، مالکی مفسر وفقیہ امام ابوبکر ابن العربیؒ نے آیت کریمہ "وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا" (آل عمران-۱۰۳) کی تفسیر کے ذیل میں لکھا ہے:

اما الاختلاف فی الفروع فهو
فروعی مسائل میں اختلاف شریعت کے

من محاسن الشریعۃ لقولہ علیہ السلام: اذا اجتہد الحاکم فأصاب فلہ أجران واذا اجتہد فأخطأ فلہ أجر واحد [1]

محاسن میں سے ہے، اس لیے کہ فرمانِ نبوی ہے: جب حاکم اجتہاد کرے اور صحیح حکم تک پہنچے تو اس کے لیے دوہرا اجر ہے اور اجتہاد کرے اور غلطی کر جائے تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔

۳۔ عہدِ رسالت میں صحابہ کرام کے درمیان احکامِ نبوی کے فہم میں اختلاف ہوا۔ یہ اختلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پیش کیا گیا اور آپ نے اختلاف پر نکیر نہیں فرمائی، بلکہ معاملہ کے ہر دو فریق میں سے کسی کو بھی برسرِ غلط نہیں ٹھہرایا، چنانچہ بخاری ومسلم کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خندق کے موقع پر صحابہ کرام سے فرمایا:

"لا یصلّینّ أحد العصر الا فی بنی قریظۃ" فأدرکتہم صلاۃ العصر فی الطریق فقال بعضہم لا نصلّی إلا فی بنی قریظۃ وقال بعضہم لم یرد منّا ھٰذا فصلوا فی الطریق فلم یعب واحدۃ من الطائفتین [2]

"ہر شخص عصر کی نماز بنی قریظہ میں ہی پڑھے" تو راستہ میں ہی عصر کا وقت آگیا، تو کچھ صحابہ نے کہا: ہم تو بنی قریظہ میں ہی نماز پڑھیں گے، کچھ دوسرے صحابہ نے کہا: حضورؐ کی مراد ہم سے یہ نہیں تھی، چنانچہ ان لوگوں نے راستہ میں نماز پڑھی۔ آپؐ نے دونوں میں سے کسی جماعت کو غلط نہیں کہا۔

۴۔ امت کا پہلا عادل طبقہ صحابۂ کرام کا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام مملکتِ اسلامیہ کے مختلف شہروں میں اس حکمِ نبوی کی تعمیل کے لیے پھیل گئے کہ "ألا فلیبلغ الشاھد الغائب" (سن لو! ہر موجود شخص غائب شخص تک پہنچا دے) صحابۂ کرام نے منصوص مسائل میں قرآن وسنت سے حکم بتایا، لیکن زندگی کے روز بروز پیدا ہونے والے نئے نئے مسائل میں ان کے

---

[1] الاحکام الصغری بحوالہ المدخل الفقہی العام، مصطفیٰ الزرقاء، دار القلم دمشق ۱۹۹۸ء، طبع اول ۱/ ۲۴۰

[2] رفع الملام عن الائمۃ الاعلام ابن تیمیہ مطبوعہ بر کتاب الانصاف فی معرفۃ الراجح من الخلاف علی بن سلیمان المرداوی۔ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۹۹۸۔ طبع اول ۱/ ۲۳۶ ۳۰۳

پیش نظر چند اصولی ہدایات تھیں :-

اول - اجتہاد اور غور و فکر : چنانچہ حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن روانہ کرتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا :

كيف تقضي إذا عرض	اگر تمہارے سامنے کوئی مسئلہ آئے گا
لك قضاء، قال : اقضي بكتاب الله	توکس طرح فیصلہ کروگے؟ انھوں نے کہا
قال : فان لم تجد في كتاب الله؟	میں اللہ کی کتاب سے فیصلہ کروں گا،
قال : فبسنة رسول الله، قال	پوچھا : اگر کتاب اللہ میں تمہیں حکم نہ ملے؟
فان لم تجد في سنة	فرمایا پھر رسول اللہ کی سنت سے کروں گا
رسول الله ؟ قال : اجتهد	آپؐ نے پوچھا : اگر تمہیں رسول اللہ کی سنت
رأيي ولا آلو [1]	میں حکم نہ ملے ؟ تو انھوں نے کہا : میں اپنی رائے
	سے اجتہاد کروں گا اور کوتاہی نہیں کروں گا۔

دوم : اجتماعی مشورہ : اس طرح کی صورت حال کے بارے میں حضرت علیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپؐ نے انھیں اجتماعی مشورہ کا حکم دیا - حدیث میں ہے :

قلت يا رسول الله : الأمر	میں نے عرض کیا : اے اللہ کے
ينزل بنا لم ينزل فيه القرآن	رسولؐ ! ہمارے سامنے مسائل آتے ہیں
ولم تمض فيه منك سنة	جن کے بارے میں نہ قرآن میں کچھ نازل ہوا
فقال : أجمعوا العالمين	ہے نہ اس بارے میں آپ کی سنت پائی
من المومنين فاجعلوه شورى	گئی، توآپؐ نے فرمایا : مومنوں ہی سے
بينكم ولا تقضوا فيه برأي	اہلِ علم کو جمع کرو اور باہمی مشورہ سے فیصلہ
واحد. [2]	کرو، اس میں انفرادی رائے سے فیصلہ مت کرو۔

سوم : قیاس : حضرت عمرؓ نے نئے مسائل کے بارے میں حضرت ابوموسیٰ

---

[1] ترمذی، ابوداؤد، کتاب الاقضیہ باب اجتہاد الرای فی القضاء حدیث نمبر ۳۵۹۲

[2] طبرانی فی الاوسط بحوالہ المدخل ۱/۲۰۷

اشعریؓ کو خط لکھ کر قیاس کا حکم دیا، فرمایا:

الفہم الفہم فیما تلجلج	تمہارے دل میں کھٹکنے والے ایسے
فی صدرك مما لیس فی	مسائل میں خوب غور کرو جن کے بارے میں
کتاب اللہ ولا سنۃ النبی	نہ قرآن میں کچھ ہے اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
صلی اللہ علیہ وسلم ثم اعرف الأشباہ	کی سنت میں حکم ہے، پھر مشابہ اور مماثل
والأمثال فقس الامور عند	احکام کو پہچانو، پھر مسائل کو ان کے نظائر
ذلك بنظائرها واعمد إلی	پر قیاس کرو اور ایسے حکم کو اختیار کرو جو
أحبها إلی اللہ وأشبهها بالحق	اللہ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ اور تمہاری
فیما تری فاتبعه [1]	نظر میں حق کے زیادہ مشابہ ہو۔

ان اصولی اور رہنما ہدایات کے مطابق جب صحابہ کرام نے نئے مسائل پر احکام شرع کی تطبیق کی تو مختلف اسباب کے تحت ان کی آرا میں اختلاف ہوا۔ شاہ ولی اللہ دہلوی اس حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے لکھتے ہیں:

ثم إنهم تفرقوا فی البلاد وصار	پھر وہ ملکوں میں پھیل گئے، اور ہر ایک
کل واحد مقتدی ناحیۃ من	اپنے علاقہ کا مقتدا ہوا، تو کثرت سے مسائل
النواحی فکثرت الوقائع ودارت	پیش آئے اور سوالات ہوئے تو ان سے
المسائل فاستفتوا فیها فأجاب	استفتار کیا گیا۔ ہر ایک نے اپنی یادداشت
کل واحد حسبما حفظه أو	یا استنباط کے مطابق جواب دیا، اگر اپنی یادداشت
استنبطوا ان لم یجد فیما حفظه	کے ذخیرہ یا استنباط میں مناسب جواب
او استنبط ما یصلح للجواب اجتهد	نہیں ملا تو اپنی رائے سے اجتہاد کیا اور
برأیه وعرف العلۃ التی أدار	اس علت کو پہچانا جس پر رسول اللہ نے
رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم	اپنی منصوصات میں حکم کی بنا رکھی تھی، تو
علیها الحکم فی منصوصاته فطرد	جہاں بھی وہ علت ملی وہی حکم وہاں جاری
الحکم حیثما وجدها لا یألوا جهداً	کیا اور اس میں غرض نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تک

---

[1] اعلام الموقعین عن رب العالمین، ابن قیم الجوزیہ، دار الکتب العربیۃ بیروت ١٩٩٦، ١/٦٨

في موافقة غرضه عليه الصلوٰة والسلام فعند ذٰلك وقع الاختلاف بينهم على ضروب[1]

پہنچنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، اس موقع پر ان میں چند شکلوں پر اختلاف ہوا۔

۵۔ صحابۂ کرام سے تابعین نے دین کا علم حاصل کیا اور پھر اسے بعد والوں تک منتقل کیا، ساتھ ہی مزید پیدا ہونے والے نئے مسائل میں اجتہاد و استنباط سے کام لیا اور اس کے لیے مناہج اور اصول و ضوابط مقرر کیے۔ یہ مناہج اور اصول و ضوابط باہم مختلف تھے، چنانچہ تابعین کے درمیان فروعی مسائل میں اختلاف زیادہ بڑے پیمانے پر ہوا۔ شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں:

وبالجملة فاختلفت مذاهب أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وأُخذ عنهم التابعون ...... فعند ذٰلك صار لكل عالم من علماء التابعين مذهب على حياله[2]

خلاصہ یہ ہے کہ اصحابِ نبیؐ کے مذاہب مختلف ہوئے، ان سے تابعین نے اخذ کیا... تو اس وقت علماء تابعین میں سے ہر عالم کا اپنے گرد ایک مذہب ہو گیا۔

٦۔ فروعی مسائل میں یہ اختلاف خیر القرون میں نہ صرف ناپسندیدہ نہیں سمجھا گیا، بلکہ اختلاف کو ختم کرنے کی سیاسی کوشش کو سلفِ صالحین نے بالکلیہ مسترد کر دیا۔ چنانچہ جب عباسی خلیفہ ہارون رشید نے امام مالکؒ سے خواہش ظاہر کی کہ موطا کو کعبہ میں لٹکا دیا جائے اور پوری اسلامی قلمرو میں اسی کے مطابق عمل کو لازم کر دیا جائے تو امام مالک نے جواب دیا:

يا أمير المؤمنين... إن أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم اختلفوا في الفروع فافترقوا في البلدان وكلٌّ عند نفسه مصيب[3]

اے امیر المومنین! رسول اللہؐ کے اصحاب کا فروع میں اختلاف ہوا، وہ شہروں میں پھیل گئے اور ہر ایک اپنے نزدیک درست ہے۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ: شاہ ولی اللہ، دار التراث قاہرہ ١٣٥٥ھ ١/١٢١   [2] ایضاً ١/١٤٣

[3] مالک لابی زہرۃ بحوالہ الموطن ١/٢٧٠

پھر ہارون الرشید نے دوبارہ اصرار کیا تو امام مالک نے فرمایا :

یا أمیر المومنین ! إن	اے امیر المومنین! علماء کا اختلاف
اختلاف العلماء رحمة من	اس امت پر اللہ کی رحمت ہے، ہر
الله علی هذه الأمة کلٌ	ایک اپنے نزدیک صحیح روایت کی اتباع
یتّبع ما صحّ عنده، وکلٌّ علی	کرتا ہے، سب کے سب ہدایت پر ہیں
هدیٍ وکلٌّ یرید الله [1]	اور سب اللہ کی مرضی چاہتے ہیں۔

پانچویں خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے فرمایا :

ما أحبُّ أنّ أصحاب	میں یہ پسند نہیں کرتا ہوں کہ محمد صلی اللہ
محمد لا یختلفون لأنّه لو کان	علیہ وسلم کے اصحاب میں اختلاف نہ ہوتا،
قولاً واحداً لکان الناس	اس لیے کہ اگر ایک ہی قول ہوتا تو لوگ
فی ضیق وانهم أئمة یقتدیٰ	تنگی میں پڑ جاتے، یہ سب ایسے ائمہ ہیں
بهم، فلو أخذ رجل بقول	جو قابلِ اقتدا ہیں، اگر کوئی شخص ان میں
أحدهم لکان فی سعة [2]	سے کسی کا قول اختیار کرے تو اس کے لیے گنجائش ہوگی۔

امام سفیان ثوریؒ کہا کرتے تھے :

لا تقولوا اختلف العلماء فی	یہ مت کہو کہ علماء نے فلاں مسئلہ میں
کذا، وقولوا قد وسع العلماء	اختلاف کیا، بلکہ کہو کہ انھوں نے امت
علی الأمة بکذا [3]	پر اس مسئلہ میں وسعت دی ہے۔

ان امور کا خلاصہ درج ذیل ہے :

الف۔ فروعی مسائل میں وحدت اور یکسانیت مشیتِ الٰہی نہیں رہی۔

ب۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں جزوی مسائل میں اختلاف ہوئے اور آپؐ نے اختلاف پر نکیر نہیں فرمائی۔

---

[1] ایضاً ١/٢٧٠ [2] ایضاً

[3] المیزان الکبریٰ : عبد الوہاب شعرانی (قدیم نسخہ بدون تفصیل) ١/٢٨

ج۔ صحابۂ کرام اور ان کے بعد تابعینِ عظام کے ادوار میں جزوی مسائل میں اختلاف کا دائرہ وسیع ہوا، جو زمانہ کی رفتار کے ساتھ مختلف اسباب وعوامل کے تحت بڑھتا گیا۔

د۔ جزوی اور فروعی مسائل کے اس اختلاف کو سلفِ صالحین نے امت کے حق میں رحمت تصور کیا اور اس بات کو پسند نہیں فرمایا کہ پوری امت کو جزوی مسائل میں بھی کسی ایک رائے کا پابند کر دیا جائے، بلکہ اسے امت کے لیے باعث حرج وتنگی سمجھا۔

۷۔ اس تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ جزوی مسائل میں اختلافِ رائے کی بنیاد شریعت میں موجود ہے اور یہ اختلاف مذموم نہیں، بلکہ محمود ہے، یہی وجہ ہے کہ جب تابعین، تبع تابعین اور ان کے تلامذہ کے ادوار میں ائمہ مجتہدین نے عملی زندگی کے تمام ابواب کے لیے وسیع پیمانہ پر احکامِ شریعت اور فقہی احکام کا ذخیرہ مستنبط اور مرتب کیا تو نصوصِ شریعت سے واقفیت اور علم وفہم کے درجات کے فرق کی بنیاد پر ان مستنبط شدہ احکام میں وسیع تر دائرہ میں اختلاف بھی ہوا۔

اجتہاد واستنباط کا یہ عظیم کام اسلامی مملکت کے مختلف شہروں میں مجتہدین فقہاء کے ذریعہ انجام پاتا رہا، جن میں نمایاں درج ذیل تھے:

مدینہ میں فقہائے سبعہ مشہور تھے، یعنی سعید بن المسیب، ابوبکر بن عبدالرحمٰن قاسم بن محمد بن ابی بکر، عروہ بن زبیر، سلیمان بن یسار، خارجہ بن زید بن ثابت اور عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود، پھر ربیعۃ الرائے اور امام مالکؒ۔

مکہ کے فقہائے تابعین میں عطاء، طاؤس بن کیسان، عمرو بن دینار اور عکرمہ تھے، ان کے بعد امام شافعی وغیرہ رہے۔

بصرہ میں حسن بصری، جابر بن زید، ابن سیرین اور زرارہ بن اوفیٰ وغیرہ تھے۔

کوفہ میں علقمہ بن قیس، اسود بن یزید، عبداللہ بن عبداللہ بن مسعود، مسروق بن اجدع، قاضی شریح، ابراہیم نخعی، عامر شعبی، سعید بن جبیر، عامر بن شراحیل حماد بن ابی سلیمان، ابوحنیفہ، ابن ابی لیلیٰ، سفیان ثوری اور قاضی شریک وغیرہ

تھے۔ ادھر بغداد میں امام احمد بن حنبل تھے۔ شام میں عبدالرحمن بن غنم، ابو ادریس خولانی، عبدالرحمن بن جبیر، مکحول، عمر بن عبدالعزیز، عبدالملک بن مروان اور اوزاعی تھے۔

مصر میں صحابیٔ رسول حضرت عمرو بن العاصؓ کے بعد ان کے صاحبزادے عبداللہ بن عمرو پھر مرثد مزنی، یزید بن ابی حبیب اور لیث بن سعد تھے۔

۸۔ یہ اور ان کے علاوہ بے شمار ائمہ اسلاف نے استنباطِ مسائل اور احکامِ شریعت کی توضیح کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا، جو ان کے تلامذہ کے ذریعہ منتقل ہوتا رہا، لیکن ائمہ مجتہدین میں سے چار ائمہ عظام کو اللہ تعالیٰ نے ایسے باکمال شاگردوں سے نوازا اور سلسلہ بہ سلسلہ ان میں ایسے فقہاء وعلماء کبار پیدا ہوتے رہے جنھوں نے ان ائمہ کی آراء اور استنباطات کے ذخیرہ کو نہ صرف محفوظ و مدوّن کیا بلکہ ان میں کافی اضافہ بھی کیا۔ یہ ائمہ تھے: ابوحنیفہ (۱۵۰ھ) مالک (۱۷۹ھ) شافعی (۲۰۴ھ) اور احمد بن حنبل (۲۴۱ھ) ان چاروں فقہی مسالک میں بڑے بڑے محدثین اور فقہاء وعلماء پیدا ہوتے رہے جنھوں نے مختلف پہلوؤں سے اس ذخیرۂ احکام کی تنقیح و تدقیق کی خدمت انجام دی۔ چنانچہ اقوال و مسائل کی صحیح سند کے ساتھ روایت، مشہور کتابوں میں ان کی تدوین، محتملات میں راجح کی تعیین، عموم کی تخصیص، مطلق کی تقیید، مختلف فیہ مسائل میں جمع و تطبیق اور احکام کی علتوں کی توضیح کی عظیم خدمات آج ان مذاہبِ اربعہ کے علاوہ کسی اور مذہب میں نہیں ملتی ہیں[1] اس لیے ان چار مسالک کو امت میں قبول عام حاصل ہوا۔

ان مسالکِ اربعہ کی ایک نمایاں خصوصیت یہ رہی کہ ان میں بے شمار علماء، فقہاء، مفسرین و محدثین اور مجتہدین عہد بہ عہد ایسی عظیم خدمات انجام دیتے رہے کہ آج ان مسالک کے مسائل دلائل شرعیہ کی روشنی میں بہت ہی منقّح ہو کر موجود ہیں۔ محققین علماء نے بے شمار مسائل میں اپنے مسلک کی منقول آراء سے اختلاف بھی کیا، اور مختلف آراء میں دلائلِ قویہ کی بنیاد پر ترجیح کا فریضہ انجام دیا

۱؎ عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید، شاہ ولی اللہ مطبوعہ حسین حلمی استنبول ص ۳۶-۳۸ بحوالہ دعوت وعزیمت ۵/۲۱۲-
۳۰۹

اور پورے حالاتِ زمانہ کی رعایت کے ساتھ اجتہادی احکام و مسائل میں بھی تبدیلی کی اور علمی تحقیق و تنقید کا یہ سلسلہ جاری رہا۔

فقہی اختلاف میں شاہ ولی اللہ کا موقف

۱۔ اسلام کا مزاج اعتدال اور میانہ روی کا ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر معاملہ میں اعتدال و توسط اپنانے کی تلقین فرمائی ہے۔ ارشادِ گرامی ہے:

إنّ الدین یسر ولن یشادّ الدین إلا غلبه فسدّدوا وقاربوا وأبشروا واستعینوا بالغدوة والروحة وشیئ من الدلجة[1] وفی روایة القصد القصد تبلغوا۔	دین آسان ہے اور جو دین میں سختی کرے گا دین اس پر غالب آجائے گا، تو ٹھیک ٹھیک چلو، قریب قریب رہو، خوشخبری دو، صبح و شام سے مدد لو اور کچھ رات کے آخری پہر سے، ایک روایت میں ہے: درمیانی راہ اختیار کرو پہنچ جاؤ گے۔

اسلام کے اس مطلوب مزاج سے اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ صاحب کو حظِ وافر عطا فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ کے مزاج و فکر میں طبعی اعتدال موجود تھا۔ دوسری جانب اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے مواقع عطا فرمائے کہ آپ نے چاروں فقہی مسالک کا گہرا مطالعہ کیا اور ان مسالک کے اساتذہ سے براہِ راست کسبِ فیض کیا۔ اس راست اور عمیق مطالعہ کے نتیجہ میں آپ کی فکر و نظر میں اعتدال اور جامعیت پیدا ہوگئی تھی۔ شاہ صاحب نے اس موضوع پر چار پہلوؤں سے بحث کی ہے اور چاروں میں ان کے فکر و مزاج کا اعتدال نمایاں ہے۔

الف: فقہی اختلاف کی حقیقت۔
ب: فقہی اختلاف میں طرزِ عمل
ج: فقہی مسالک میں جمع و تطبیق
د: اجتہاد و تقلید کے بارے میں صحیح نقطۂ نظر

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب الدین یسر، حدیث نمبر ۳۹

ذیل کی سطور میں ان امور پر حضرت شاہ صاحب کی فکر اور موقف کی تفصیل پیش کی جارہی ہے:

الف: فقہی اختلاف کی حقیقت۔

۲۔ فقہی اختلاف کی حیثیت متعین کرتے ہوئے شاہ صاحب نے تین باتوں پر روشنی ڈالی ہے، اول یہ کہ صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اخذِ شریعت دو طریقوں سے ہوا، ایک طریقہ ظاہری نقل و روایت کا تھا جو آگے چل کر روایتِ احادیث اور اس کی اقسام کی شکل اختیار کرتا گیا، دوسرا طریقہ دلالتاً استنباط کا یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو دیکھ کر حکم مستنبط کرنے کا تھا جو آگے چل کر صحابہ کرام کے قیاسات اور قرآن وسنت سے ان کے استنباط کی شکل میں سامنے آیا[1]

عہدِ نبوت کے بعد صحابہ کرام اسلامی شہروں میں پھیل گئے، ہر ایک اپنے علاقہ میں امت کا پیشوا تھا، ان کے سامنے مسائل آتے وہ قرآن وسنت سے حکم بتاتے اور اگر ان دونوں میں حکم نہ ہوتا تو استنباط و اجتہاد کرتے اور غرضِ نبوی علیہ السلام تک پہنچنے کی کوشش کرتے[2]

تابعین نے صحابۂ کرام سے قرآن وسنت اور صحابہ کے اقوال کو اخذ کیا، مختلف اقوال میں تطبیق اور ترجیح کا طریقہ اپنایا اور اس کی روشنی میں ان کے علاحدہ مسالک قرار پاتے گئے، یہی صورت ان سے اخذ کرنے والے تبع تابعین اور پھر ان کے تلامذہ کے یہاں پائی جاتی رہی[3]

چوتھی صدی ہجری سے قبل تک ایک معین مسلک کی پابندی رائج نہ تھی، عوام کا طرزِ عمل یہ تھا کہ اجماعی اور متفق علیہ مسائل میں اپنے افرادِ خاندان اور اساتذہ وعلماء کو دیکھ کر عمل کرتے تھے اور نئے مسائل میں کسی پابندی کے بغیر جو عالم میسر آتا پوچھ لیتے تھے۔ خواص میں کچھ اصحاب حدیث تھے جن کے پاس احادیثِ رسول اور آثارِ صحابہ کا اتنا بڑا ذخیرہ ہوتا کہ ان کے عمل کے لیے کافی ہوتا، اگر کسی مسئلہ میں

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ۱/۱۳۲ [2] ایضاً ۱/۱۴۱ [3] ایضاً ۱/۱۴۳ - ۱۴۴

روایت مختلف ہوتی اور اقوال بھی متضاد ہوتے تو جس روایت پر فقہاء کا عمل ہوتا اسے اپنا لیتے، اگر یہ بھی مختلف ہوتا تو ترجیح سے کام لیتے[۱] چوتھی صدی ہجری کے بعد مذہبِ معین کی تقلیدِ خاص کا رواج ہوا۔ یہ فقہی اختلاف کا تاریخی تسلسل تھا۔

۲۔ دوسرے یہ کہ اخذِ شریعت کے مذکورہ دونوں طریقے اپنی اپنی جگہ درست ہیں اور دونوں کی اصل دین میں موجود ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

ان التخریج علی کلام الفقہاء	فقہاء کے کلام پر تخریج اور لفظِ حدیث
و تتبّع لفظ الحدیث لکلٍّ منہما	کا تتبّع دونوں کی پختہ اصل دین میں موجود
أصل أصیل فی الدین ولم یزل المحققون	ہے، اور ہر زمانہ میں محقق علماء ان دونوں کو
من العلماء فی کل عصر یأخذون بہما[۲]	اختیار کرتے رہے ہیں۔

البتہ ان دونوں میں سے ہر طریقہ میں کچھ کمی اور خلل ہے جس کی تلافی دوسرے طریقے سے ہوتی ہے اور اس طرح کوئی ایک طریقہ دوسرے سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ لکھتے ہیں:

وفی کلٍّ من الطریقین خلل إنما	دونوں میں سے ہر طریقہ میں کمی ہے
ینجبر بالأخریٰ ولا غنی لإحداھما	جس کی تلافی دوسرے طریقہ سے ہوتی ہے،
عن صاحبتہا[۳]	ایک کو دوسرے سے استغناء نہیں ہے۔

آپ نے ہر طریقہ میں کمی کی نشاندہی فرمائی اور دونوں طریقوں کو اختیار کرنا ضروری قرار دیتے ہوئے کہا:

ولمّا کان الأمر کذالک وجب	جب معاملہ ایسا ہے تو فقہ میں اترنے
علی الخائض فی الفقہ ان یکون	والے پر واجب ہے کہ وہ دونوں میدان
متضلّعا من کلا المشربین ومتبحرا فی	کا ماہر اور دونوں طریقوں میں متبحر ہو۔
کلا المذہبین[۴]	

تیسرے یہ کہ طریقہ و منہج کے فرق کی بنیاد پر فقہاء کرام میں جو فقہی اختلافات ہوئے ان میں سے بیشتر اختلافات میں اور بالخصوص جن امور میں صحابہ کرام کے اقوال دونوں جانب ملتے ہیں، ان میں اختلاف کی حیثیت محض کسی ایک قول

---

[۱] ایضا ۱/۱۵۳ [۲] ایضاً ۱/۱۵۶ [۳] ۱/۱۳۲ [۴] ایضاً ۱/۱۳۲

کی ترجیح کی ہے، دونوں فریقوں کے نزدیک دونوں نقطۂ نظر ثابت ہیں، صرف راجح اور ادنیٰ کی تعیین کا اختلاف ہے [1]

ب ۔ فقہی اختلاف میں صحیح طرزِ عمل :

۵ ۔ شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے نزدیک فقہی اختلاف میں دلائل دونوں جانب ہیں اور ایسے بیشتر مسائل میں اختلاف کی حیثیت محض اولیٰ اور غیر اولیٰ کی ہے ۔ اس لیے آپ نے فقہی اختلاف میں معتدل راہ اور طرزِ عمل اپنایا ہے اور سلفِ صالحین کی زندگیوں کے وہ روشن صفحات ہمیں دکھائے ہیں جن میں فقہی اختلاف کے ساتھ معتدل طرزِ عمل اور عملی رواداری کے تابناک نقوش ثبت ہیں اور اہلِ علم نے اختلافی مسائل میں شدت نہیں برتی بلکہ اپنی رائے کی مخالف صورت پر عمل کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں سمجھا، یہ طرزِ عمل صحابہ کرام کے یہاں بھی ملتا ہے اور ان کے بعد تابعین اور ائمہ مجتہدین بھی اسی روش پر گامزن رہے چنانچہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے درمیان نماز میں بسم اللہ پڑھنے اور نہ پڑھنے، آمین اور تسمیہ کو بلند آواز یا آہستہ آواز میں پڑھنے، فجر میں دعائے قنوت پڑھنے اور نہ پڑھنے پچھنہ، نکسیر اور قے کی وجہ سے وضو کرنے اور نہ کرنے، اسی طرح شرم گاہ کو ہاتھ لگانے، عورت کو شہوت کے ساتھ چھونے، آگ پر پکی چیز کے کھانے اور اونٹ کا گوشت کھانے کی وجہ سے بھی وضو واجب ہونے نہ ہونے کے مسائل میں اختلاف رہا، اور دونوں رایوں پر عمل کیا جاتا رہا، لیکن اس اختلاف کے باوجود ایک رائے کے حاملین دوسری رائے کے ماننے والوں کے پیچھے بلا تکلف نماز پڑھتے تھے۔

ائمہ مجتہدین کا اسوہ

امام ابوحنیفہؒ، ان کے اصحاب، امام شافعیؒ اور ان کے اصحاب مدینہ میں مالکی امام کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، حالانکہ وہ سرے سے بسم اللہ پڑھتے ہی نہ تھے، نہ آہستہ نہ بلند ۔ خلیفہ ہارون الرشید نے پچھنہ لگوایا اور نماز پڑھائی، اس لیے کہ امام مالک

---

[1] ایضاً ۱/ ۱۵۹

نے وضو نہ ٹوٹنے کا فتویٰ دیا ہے، ان کے پیچھے امام ابو یوسفؒ نے نماز پڑھی، جب کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور پھر نماز دہرائی بھی نہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ کی رائے ہے کہ نکسیر اور پچھنہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، ان سے پوچھا گیا کہ اگر امام کو خون نکل آئے اور وضو نہ کرے تو آپ ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے ؟ انھوں نے جواب دیا : بھلا میں کیسے امام مالکؒ اور سعید بن المسیبؒ کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا ہوں۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ عیدین کی نمازوں میں ابن عباسؓ کی تکبیر کہا کرتے تھے، کیونکہ ہارون الرشید کو اپنے دادا کی تکبیر پسند تھی۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے امام ابو حنیفہؒ کی قبر کے قریب نماز پڑھی تو ان کے ادب میں قنوت چھوڑ دی اور فرمایا : ہم کبھی اہل عراق کے مذہب کی طرف بھی اتر آتے ہیں۔ ایک جمعہ کو امام ابو یوسفؒ نے نماز پڑھائی، جب نماز سے فارغ ہو کر لوگ چلے گئے تو انھیں بتایا گیا کہ جس حمام سے انھوں نے غسل کیا تھا اس میں ایک چوہیا مری ہوئی تھی تو انھوں نے فرمایا : تب ہم اہل مدینہ کے قول کو اختیار کر لیتے ہیں[1]

سلفِ صالحین کے اس معتدل اور روادارانہ طرزِ عمل کی وجہ سے ہی علمار کرام ہمیشہ اجتہادی مسائل میں مفتیوں کے فتاوی کو درست اور قاضیوں کے فیصلوں کو صحیح تسلیم کرتے تھے اور بسا اوقات وہ اپنے مذہب کے خلاف بھی عمل کرتے تھے۔

ولذلك لم يزل العلماء يجوزون	اسی لیے علمار ہمیشہ اجتہادی مسائل
فتاوى المفتين فى المسائل	میں مفتیوں کے فتاوی اور قاضیوں کے
الاجتهادية ويسلمون قضاء	فیصلوں کو درست مانتے رہے ہیں،
القضاة ويعملون فى بعض	اور بعض اوقات اپنے مذہب کے خلاف
الأحيان بخلاف مذهبهم[2]	عمل کرتے رہے ہیں۔

ج۔ فقہی مسالک میں جمع و تطبیق :

۶۔ فقہی اختلاف کی حیثیت اور اختلافی مسائل میں سلفِ صالحین کے طرزِ عمل

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ۱/۱۵۹ [2] ایضاً ۱/۱۵۹

کے پیش نظر حضرت شاہ ولی اللہ محدث رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے عمیق و وسیع مطالعہ، معتدل رجحان وفکر اور گہری بصیرت کے ساتھ فقہی مسالک میں باہمی رواداری کو فروغ دینے، فروعی مسائل میں بے جا تشدّد اور تعصب کو ختم کرنے اور حدیث کی روشنی میں فقہی مسالک کے درمیان جمع و تطبیق کی شکل نکالنے کا عزم فرمایا۔ اس کے لیے آپ نے درج ذیل تین محاذوں پر کام کیا:

۷۔ اول: آپ نے مسالکِ اربعہ کی کتابوں اور ان کے مشمولات کے مطالعہ اور اللہ تعالیٰ نے جو خاص بصیرت اور روشنی عطا کی تھی، اس کی مدد سے اپنے لیے ایک معتدل روش منتخب فرمائی۔ اس روش کا نام آپ نے "روشِ فقہائے محدثین" بتائی ہے۔ لکھتے ہیں:

وبعد ملاحظہ کتب مذاہب اربعہ	مذاہبِ اربعہ کی کتابوں، ان کے اصولِ
واصول فقہ ایشاں واحادیث کہ متمسک	فقہ اور جو احادیث ان کا مستدل ہیں ان
ایشاں است قرارداد خاطر بمدد	کے مطالعہ کے بعد نورِ غیبی کی مدد سے فقہاء
نورغیبی روش فقہائے محدثین	محدثین کی روش اختیار کرنے کی آمادگی
افتاد" [1]	دل میں ہوئی۔

"روشِ فقہاء محدثین" کا مطلب یہ ہے کہ مجتہدین کے اقوال کو حدیث کے سامنے پیش کیا جائے، اور جو قول ظاہر و معروف حدیث کے موافق ہو اسے قبول کیا جائے، نہ تو مجتہدین کے اقوال سے استغناء ہو اور نہ ان اقوال پر حدیث سے صرفِ نظر کرکے اصرار کیا جائے، علمِ حدیث اور اقوالِ مجتہدین کے درمیان یہ جامعیت شاہ صاحب کی نظر میں 'مجتہد مطلق منتسب' کا وصفِ خاص ہے لکھتے ہیں:

انہ الجامع بین علم الحدیث	یہ علمِ حدیث اور اپنے اصحاب سے
والفقہ المروی عن اصحابہ [2]	مروی فقہ کا جامع ہوتا ہے۔

---

[1] الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف ص ۲۰۴ بحوالہ 'اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ' ڈاکٹر مظہر بقا ادارہ تحقیقاتِ اسلامی پاکستان ص ۲۵۔

[2] عقد الجید ص ۱۳ بحوالہ اصول فقہ ص ۲۵۔

مجتہد مطلق منتسب کی اس تعریف کے بعد کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں:

فہذہ طریقۃ المحققین من فقہاء المحدثین، وقلیل ماھم، وھم غیر الظاھریۃ من أھل الحدیث الذین لا یقولون بالقیاس ولا الإجماع وغیر المتقدمین من أصحاب الحدیث ممن لم یلتفتوا إلی أقوال المجتہدین أصلاً ولکنہم أشبہ الناس بأصحاب الحدیث لأنہم صنعوا فی أقوال المجتہدین ما صنع أولئک فی مسائل الصحابۃ والتابعین [1]	یہی فقہاء محدثین میں سے محققین کا طریقہ ہے، اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔ یہ اہلِ حدیث میں سے ظاہریہ نہیں ہیں جو قیاس اور اجماع کے قائل نہیں ہیں اور نہ متقدمین میں سے وہ اصحابِ حدیث ہیں جو مجتہدین کے اقوال کو سرے سے دیکھتے ہی نہیں ہیں، البتہ یہ لوگ اصحابِ حدیث سے زیادہ مشابہ ہیں، اس لیے کہ یہ مجتہدین کے اقوال میں وہی عمل کرتے ہیں جو انھوں نے صحابہ و تابعین کے مسائل میں کیا ہے۔

۸۔ دوم: آپ نے چاروں فقہی مسالک کو یکساں درجہ میں اہمیت دی، اس کے لیے ایک طرف آپ نے ہر فقہی مسلک اور اس کے ابتدائی حاملین کی خصوصیات پر روشنی ڈالی اور اس کی اہمیت کا برملا اظہار فرمایا، امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں لکھا:

کان عظیم الشان فی التخریج علی مذھبہ دقیق النظر فی وجوہ التخریجات مقبلا علی الفروع أتم إقبال [2]	وہ نخعیؒ کے مذہب پر تخریج میں عظیم مرتبہ پر فائز تھے، وجوہ تخریجات میں بڑے باریک بیں اور فروع کے استنباط میں ماہر تھے۔

فیوض الحرمین میں مذاہب کی حقیقت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مذاہب دو معانی کے اعتبار سے حق ہوتے ہیں، ان میں سے ایک معنی جلی ہے اور دوسرا معنی دقیق۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ "میں بڑے غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ آج مذہبِ حنفی کو اس معنی دقیق کے اعتبار سے تمام مذاہب پر فوقیت حاصل ہے۔"[3]

امام مالکؒ کی کتاب "موطا" کے بارے میں لکھا ہے کہ:

---

[1] ایضاً [2] حجۃ اللہ البالغہ ۱/۱۴۶

[3] فیوض الحرمین، شاہ ولی اللہ، مطبوعہ مطبع احمد دہلی ص ۱۰۲ بحوالہ اصول فقہ ص ۳۷

الطبقة الأولى منحصرة في ثلاثة كتب : الموطا وصحيح البخاري وصحيح مسلم، قال الشافعي اصح الكتب بعد كتاب الله موطا مالك[1]	طبقۂ اولیٰ میں صرف تین کتابیں ہیں: موطا صحیح بخاری اور صحیح مسلم، امام شافعی نے کہا قرآن کے بعد سب سے صحیح کتاب موطا امام مالک ہے۔

آپ نے موطا کو حدیث کی کتابوں میں اول نمبر پر رکھا اور خود اس کی شرح دو زبانوں میں لکھی، پہلی شرح عربی میں "المسوّیٰ" کے نام سے لکھی اور دوسری فارسی شرح "المصفیٰ" لکھی۔ تیسرے فقہی مسلک مذہبِ شافعی کے بارے میں لکھا ہے:

وأمّا هٰذه المذاهب الأربعة فأقربها إلى السنة مذهب الشافعي المنقّح المصفّى[2]	ان مذاہبِ اربعہ میں سنت سے سب سے زیادہ قریب امام شافعی کا مذہب ہے جو منقّح اور صاف ہے۔

اسی طرح امام احمد بن حنبلؒ کے بارے میں لکھا:

وكان أعظمهم شأناً و أوسعهم رواية وأعرفهم للحديث مرتبة وأعمقهم فقها أحمد بن محمد بن حنبل[3]	ان میں سب سے عظیم الشان، سب سے زیادہ وسیع الروایۃ، حدیث کے مرتبہ سے سب سے زیادہ واقف اور سب سے عمیق تفقہ کے حامل امام احمد بن حنبل ہیں۔

۹۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ اس سلسلے میں اپنے مخصوص روحانی استفادے کا ذکر کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک چاروں فقہی مسالک برابر ہیں اور کسی ایک کو دوسرے پر فوقیت حاصل نہیں ہے، لکھتے ہیں:

سألته صلى الله عليه وسلم عن هٰذه المذاهب الأربعة و بهٰذه الطرق أيها أولى عنده بالأخذ	میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان مذاہب اربعہ اور ان طریقوں کے بارے میں دریافت کیا کہ آپ کے نزدیک زیادہ

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ۱/۱۳۳

[2] الخیر الکثیر، شاہ ولی اللہ، مطبوعہ مجلس علمی ڈابھیل ۱۳۵۲ھ ص ۱۸۱ بحوالہ اصول فقہ

[3] حجۃ اللہ البالغہ ۱/۱۵۰۔

وأحبّ فغاض على قلبي أن المذاهب	بہتر اور پسندیدہ کون ہے؟ تو میرے قلب
والطرق كلها سواء ولا فضل	پر فیضان ہوا کہ یہ سارے مذاہب اور طرق
لواحد على الآخر [1]	برابر ہیں، کسی کو دوسرے پر فضیلت نہیں ہے۔

۱۰۔ **سوم** ۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا روحانی حکم پاکر ان چاروں فقہی مسالک کے درمیان باضابطہ تطبیق اور جمع کی کوشش فرمائی، قیام حرمین شریفین کے درمیان ملے اس حکم نبوی کے بارے میں لکھتے ہیں :

ثانيها الوصاة بالتقيد	دوسری وصیت یہ ہے کہ ان مذاہب
بهٰذه المذاهب الأربعة لا	اربعہ کا پابند رہوں، ان سے نہ نکلوں اور
أخرج منها والتوفيق ما استطعت [2]	حسب استطاعت ان میں توفیق انجام دوں۔

ایک اور جگہ لکھتے ہیں: "نفحۂ ثانیہ میں مجھ پر ظاہر ہوا کہ تیرے متعلق اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے کہ امتِ مرحومہ کے مختلف ٹکڑوں کو تیرے ذریعہ جمع کر دے" [3]

جمع و تطبیق کے اس نازک عمل کے لیے شاہ صاحب کے ذہن میں حق تک رسائی کی صلاحیت بھی القا کی گئی، وہ لکھتے ہیں :

إنّ الله تعالىٰ جعل في قلبي	اللہ نے میرے دل میں کسی خاص
وقتًا من الأوقات ميزانًا أعرف به	وقت میں ایسا میزان رکھ دیا جس سے
سبب كل اختلاف وقع في الملة	میں اس ملتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام
المحمدية على صاحبها الصلوٰة والسلام	میں ہونے والے ہر اختلاف کا سبب پہچان
وما هو الحق عند الله وعند رسوله	لیتا ہوں اور یہ کہ اللہ اور اس کے رسول کے

---

[1] التفہیمات الالٰہیۃ، شاہ ولی اللہ، مطبوعہ مدینہ برقی پریس۔ بجنور ۱۳۵۵ھ ۲/۲۵۰ بحوالہ اصول فقہ ص ۲۸

[2] فیوض الحرمین، شاہ ولی اللہ، مطبع احمدی، دہلی ص ۶۴ بحوالہ اصول فقہ ص ۲۸۔

[3] ایضاً ۳۹۔ اس طرح کے الہام کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے، البتہ اس امر کا اعتراف کرنا ہی ہوگا کہ حضرت شاہ صاحب نے فقہی اختلافات میں جو تشدد تھا اسے کم کرنے اور امت کو صحیح فکر اور متوازن نقطۂ نظر دینے کی سعی بلیغ فرمائی، جزاہ اللہ خیر الجزاء (جلال الدین)

ومكنني من أن أثبت	نزدیک حق کیا ہے اور مجھے یہ قدرت دی کہ
ذلك بالدلائل العقلية	میں اس کو عقلی اور نقلی دلائل سے اس طرح
والنقلية بحيث لا يبقى فيه	ثابت کر دوں کہ اس میں کوئی شبہ
شبهة ولا اشكال [1]	اور اشکال باقی نہ رہ جائے۔

حرمین شریفین سے واپسی کے بعد آپ نے چاروں فقہی مسالک کے درمیان تطبیق کی کوشش کا آغاز کیا، لیکن ابتدائی مرحلہ میں اپنے ملک کے ماحول کے پیش نظر صرف فقہ حنفی اور فقہ شافعی کے درمیان تطبیق کی عملی کوشش فرمائی، کیونکہ یہاں کے ماحول میں انہی دونوں فقہی مسالک کے درمیان پائے جانے والے بُعد کو ختم کرنے کی ضرورت تھی۔

ان دونوں مسالک میں تطبیق کی صورت شاہ صاحب نے یہ اختیار فرمائی کہ ان دونوں کے فقہی مسائل کو فریقین کے تدوین کردہ کتبِ حدیث پر پیش کیا جائے، جو ان کے موافق ہو اسے باقی رکھا جائے، جو مخالف ہو اسے ساقط کر دیا جائے، متفقہ مسائل پر سختی سے عمل کیا جائے اور مختلف فیہ مسائل میں رواداری برتی جائے، دونوں طرح کے اقوال کو اختلافِ قراءت کی طرح شمار کیا جائے اور دونوں پر عمل کو درست تصور کیا جائے، یا ایک کو رخصت اور دوسرے کو عزیمت پر محمول کیا جائے، یا یہ سمجھا جائے کہ کفارہ کے بیان کردہ طریقوں کی طرح عمل کے دو طریقے ہیں اور دونوں کو مباح سمجھا جائے [2]

پھر شاہ صاحب نے چاروں فقہی مسالک میں تطبیق کی عملی کوشش شروع فرمائی اور موطا کی فارسی شرح "المصفیٰ" میں اسی نہج پر کام کیا، ڈاکٹر مظہر بقا اپنی کتاب میں بتاتے ہیں:

> "چنانچہ المصفیٰ میں جو المسوّی کے بعد کی تصنیف ہے، انھوں نے مذاہبِ اربعہ کے درمیان توفیق کی کوشش کی ہے" [3]

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ۱/۱۶۹

[2] التفہیمات الالٰہیہ ۱/۲۱۱ بحوالہ اصول فقہ ص ۳۰

[3] اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ ص ۳۰

شاہ صاحب نے اس شرح میں مذاہب اربعہ کے علاوہ دوسرے فقہاء و مجتہدین کے مذاہب نقل کرنے کا بھی اہتمام کیا ہے اور مجتہد فیہ مسائل میں از روئے حدیث کسی ایک مذہب کو ترجیح دی ہے۔ بسا اوقات مذاہب اربعہ کے علاوہ متقدمین تابعین اور مجتہدین کے اقوال کو بھی اختیار کیا ہے، چنانچہ وضو کے بعض مسائل میں حسن بصری کے مذہب اور روزہ کی قضاء کے بعض مسائل میں اسحاق بن راہویہ کا مذہب اختیار فرمایا ہے[1]

اس طرز اور نقطۂ نظر کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

ونحن نأخذ من الفروع	ہم فروع میں اسے اختیار کرتے ہیں
ما اتفق علیہ العلماء لاسیما	جس پر علماء بالخصوص دو بڑے فرقے حنفیہ
ھاتان الفرقتان العظیمتان الحنفیۃ	اور شافعیہ کا اتفاق ہو، خصوصاً طہارت و
والشافعیۃ وخصوصاً فی الطہارۃ	نماز میں۔ اگر اتفاق میسر نہ آئے تو ہم اسے
والصلوٰۃ، فان لم یتیسر الاتفاق	اختیار کرتے ہیں جس کے حق میں ظاہر و
واختلفوا فنأخذ بما یشھد لہ ظاہر	معروف حدیث ہو، ہم کسی بھی عالم کی
الحدیث ومعروفہ، ونحن لانزدری	تحقیر نہیں کرتے، سب کے سب حق
أحداً من العلماء فالکل طالبوا	کے طالب ہیں اور ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ
الحق ولا نعتقد العصمۃ فی أحد	وسلم کے علاوہ کسی کے معصوم ہونے کا
غیر النبی صلی اللہ علیہ وسلم[2]	اعتقاد نہیں رکھتے۔

اس طریقہ کی وضاحت کرتے کرتے ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

بقدر امکان جمع می کنم در مذاہب	روزہ، نماز، وضو، غسل اور حج جیسے
مشہورہ مثلاً صوم وصلوٰۃ ووضو وغسل	مسائل میں بقدر امکان مذاہب مشہورہ
وحج بوضع واقع می شود کہ ہمہ اہل مذاہب	کے درمیان جمع کرتا ہوں، کیوں کہ تمام
صحیح دانند وعند تعذر الجمع بأقوی	اہل مذاہب صحیح ہیں، اور جب تطبیق

---

[1] اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ ص ۳۱

[2] تفہیمات ۲/۲۰۲ بحوالہ اصول فقہ ص ۳۱

مذاہب از روئے دلیل و موافقت صریح حدیث می نمایم [1]	دشوار ہوتی ہے تو از روئے دلیل اور صریح حدیث کے موافق جو قوی مذہب ہوا سے اختیار کرتا ہوں۔

۱۱۔ حدیث کی روشنی میں مسالکِ اربعہ کے درمیان توفیق و تطبیق کی حتی الوسع کوشش کے ساتھ شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے حنفی مذہب کو بھی سنت کے مطابق کرنے کی جدوجہد جاری رکھی۔ اس جدوجہد کا عملی طریقہ آپ نے درج ذیل بتایا۔

"فقہ حنفی کے ساتھ سنت کی تطبیق کی صورت یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے اقوال میں سے کسی ایک کا قول لیا جائے، ان کے عام حکموں کی تخصیص کی جائے، ان کے مقاصد سے واقفیت بہم پہنچائی جائے اور لفظ سنت سے جو کچھ سمجھ میں آئے اس پر اس طرح اکتفا کیا جائے کہ نہ اس میں تاویلِ بعید ہو نہ بعض احادیث کو بعض سے ٹکرانے کی نوبت آئے اور نہ امت کے کسی فرد کے قول کے مقابلہ میں کسی حدیث کو چھوڑنا پڑے۔ اس طریقہ کو اللہ تعالیٰ پورا فرمادے تو یہ کبریتِ احمر اور اکسیرِ اعظم ہے" [2]

د۔ اجتہاد و تقلید کے بارے میں نقطۂ نظر۔

۱۲۔ اجتہاد اور تقلید کا موضوع بڑا نازک اور اہم رہا ہے، حضرت شاہ صاحبؒ نے ان دونوں کے درمیان معتدل راہ اپنائی ہے اور امت کے مختلف افراد کو سامنے رکھ کر ان کے حسبِ حال اجتہاد یا تقلید کا حکم دیا ہے۔

اجتہاد کے بارے میں شاہ صاحب کا نظریہ یہ ہے کہ اجتہاد ہر زمانہ میں فرضِ کفایہ ہے [3] اور ہر زمانہ میں کم از کم کسی مجتہدِ منتسب کا ہونا ضروری ہے، اسی طرح تجزیٔ اجتہاد کو بھی آپ درست قرار دیتے ہیں، لکھتے ہیں:

ویجوز ان یکون مجتہداً فی باب دون باب [4]	یہ ممکن ہے کہ آدمی ایک باب میں مجتہد ہو دوسرے میں نہ ہو۔

---

[1] مکتوبات (کلمات طیبات) ص ۱۶۱ بحوالہ اصول فقہ ص ۳۱

[2] فیوض الحرمین ص ۶۲ بحوالہ اصول فقہ ص ۳۹

[3] مقدمہ المصفیٰ بحوالہ دعوت و عزیمت ۵/ ۲۱۳
۲۲۱ [4] عقد الجید ۸۶ بحوالہ اصول فقہ ۵۱

شاہ صاحب نے چار قسم کے لوگوں کے لیے تقلید کو حرام قرار دیا ہے:

۱۔ وہ شخص جسے خود یک گونہ اجتہاد کی صلاحیت حاصل ہو، خواہ ایک ہی مسئلہ ہو۔

۲۔ جس کے سامنے رسول اکرمؐ کا کوئی حکم یا ممانعت صاف ظاہر ہو جائے اور اسے معلوم ہو جائے کہ یہ حکم منسوخ نہیں ہے، پھر بھی اس حدیث کے خلاف کرے۔

۳۔ وہ عامی شخص جو کسی معیّن فقیہ کی تقلید اس اعتقاد کے ساتھ کرتا ہے کہ اس سے خطا ممکن نہیں اور دلیل اس کے خلاف ظاہر ہو جائے تب بھی اس کا قول ترک نہیں کرے گا۔

۴۔ جو شخص یہ جائز نہ سمجھتا ہو کہ مثلاً کوئی حنفی کسی شافعی سے مسئلہ پوچھ لے یا اس کی تقلید کر لے، اسی طرح اس کے برعکس[1]

جہاں تک تقلید کا تعلق ہے شاہ صاحب کے خیال میں نفسِ تقلید نہ صرف جائز ہے بلکہ تقلید کے جواز پر انھوں نے اجماع نقل کیا ہے، اس میں بھی انھوں نے مذاہبِ اربعہ کی تقلید میں بڑی مصلحت اور ان سے اعراض میں بڑا مفسدہ قرار دیا ہے، لکھتے ہیں:

إنّ هٰذه المذاهب الأربعة	یہ چاروں مذاہب جو مدوّن اور محفوظ
المدوّنة المحرّرة قد	ہیں، پوری امت یا امت کے قابلِ ذکر
اجتمعت الأمّة او من يعتدّ به	لوگوں کا اجماع ہے کہ ان کی تقلید آج تک
منها على جواز تقليدها الى يومنا هٰذا	جائز ہے اور اس میں جو مصالح ہیں وہ مخفی
وفي ذٰلك من المصالح ما لا يخفى[2]	نہیں ہیں۔

لیکن تقلید کا یہ وجوب مذکورہ بالا چار قسم کے لوگوں کے علاوہ عامیوں کے لیے ہے اور ان کے حق میں مذاہبِ اربعہ کی تقلید ضروری ہونے کی وجوہ اور اسباب بہت تفصیل کے ساتھ آپ نے بیان فرمائے ہیں[3] اس کے ساتھ ہی آپ نے تقلید میں ہمیشہ اعتدال پسندی ملحوظ رکھنے پر زور دیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب کسی

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ۱/۱۵۵

[2] حجۃ اللہ البالغہ ۱/۱۵۴

[3] عقد الجید ۳۱-۳۳ بحوالہ دعوت وعزیمت ۵/۲۱۱

مسئلہ میں کوئی صحیح حدیث یا قوی دلیل اس مذہب کے خلاف ملے تو اس مسئلہ میں تقلید کو ترک کر دینا چاہیے۔

عامیوں کے لیے اور اس اعتدال کے ساتھ تقلید کے بارے میں شاہ صاحب لکھتے ہیں:۔

فہذا کیف ینکرہ أحد	کوئی شخص اس کا انکار کیسے کرسکتا ہے
مع ان الاستفتاء والإفتاء لم	جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد
یزل بین المسلمین من عہد	سے مسلمانوں کے درمیان استفتاء اور
النبی صلی اللہ علیہ وسلم [1]	افتاء کا سلسلہ چلا آرہا ہے۔

یوں تو عامی کے لیے شاہ صاحب مذاہبِ اربعہ کی تقلید تک محدود رہنا ضروری سمجھتے ہیں، لیکن جہاں تک مذہبِ معیّن کی پابندی کی بات ہے، شاہ صاحب کا خیال ہے کہ اگر خواہش پرستی اور اتباع ہوئی نہ ہو تو مذہبِ معیّن کی پابندی ضروری نہیں ہے۔

۱۴۔ خلاصۂ بحث:

فقہی اختلاف میں شاہ صاحبؒ کے موقف کی یہ تفصیل تھی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱۔ فقہی اختلاف عہدِ رسالت سے موجود ہے، اور مختلف اسباب کے تحت اس کا دائرہ بڑھتا رہا۔

۲۔ اخذِ شریعت کے دو طریقے جاری ہوئے اور دونوں کی اصل دین میں موجود ہے، البتہ ہر ایک طریقہ میں کچھ کمی ہے جس کی تلافی دوسرے طریقہ سے ہوتی ہے۔

۳۔ فقہی اختلافات دلائل پر مبنی ہیں اور بیش تر اختلافات محض اولیٰ اور راجح کی تعیین کے ہیں۔

۴۔ سلف نے اختلافی مسائل میں شدت نہیں برتی، بلکہ مخالف رائے پر عمل میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ۱/۱۵۶

۵۔ فقہائے محدثین کی روش بہتر ہے جو اقوالِ مجتہدین کو اختیار کرتے ہیں اور حدیث پر انھیں پیش کرتے ہیں۔

۶۔ چاروں فقہی مسالک برابر ہیں اور ہر ایک کی اپنی خصوصیت و اہمیت ہے۔

۷۔ حدیث کی روشنی میں مسالکِ اربعہ کے درمیان تطبیق و توفیق کی حتی الوسع کوشش ہونی چاہیے۔

۸۔ اجتہاد ہر زمانہ میں فرضِ کفایہ ہے اور جزوی اجتہاد بھی درست ہے۔

۹۔ چار قسم کے افراد ایسے ہیں جن پر تقلید حرام ہے۔

۱۰۔ تقلید جائز ہے اور عامیوں کے لیے مذاہبِ اربعہ کی تقلید میں ہی مصلحت ہے۔

۱۱۔ تقلید میں اعتدال پسندی ملحوظ رکھنی ضروری ہے۔

۱۲۔ اتباعِ ہوئی نہ ہو تو مذہبِ معیّن کی پابندی ضروری نہیں ہے۔

یہ ہے فقہی اختلافات اور اجتہاد و تقلید کے درمیان شاہ صاحب کا انتہائی معتدل اور مدلل موقف جو اپنی تمام تر تفصیلات کے ساتھ ان کی عظیم الشان تصنیفات میں موجود ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کا موقف شریعت کے مصادرِ اصلیہ، صحابہ و تابعین کے عمل اور ائمہ مجتہدین کی روش سے کتنا ہم آہنگ اور آج امت کے ٹوٹتے بکھرتے تانے بانے کو اس معتدل اور روادارانہ موقف کی کیسی ضرورت ہے، یہ پوری طرح واضح ہے۔

عہدِ نبویؐ کے غزوات و سرایا

ڈاکٹر رؤفہ اقبال صاحبہ نے اس تصنیف میں اسلام کے نظریہ جہاد پر اسلامی موقف کی بے لاگ ترجمانی کی ہے اور اس پر کیے جانے والے اعتراضات کا مسکت اور مدلل جواب دیا ہے۔

آفسٹ کی طباعت۔ صفحات ۲۴۷ قیمت ۲۵ روپیے

ملنے کے پتے (۱) ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی۔ پان والی کوٹھی۔ دودھ پور۔ علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲

(۲) مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز۔ ابو الفضل انکلیو نئی دہلی ۲۵